

قسط نمبر ۳

جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب

انبیاء کا مشن اور علماء کی ذمہ داریاں

اور عصر جدید میں رسالتِ محمدیؐ کا نیا اعجاز

۶۔ قرآن اور جدید انکشافات :- اور اب جہاں تک سائنسی علوم کی تعمیر پذیری کا تعلق ہے تو یہ ایک بے بنیاد شبہ بلکہ ایک واہمہ ہے، جو ان علوم سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ سائنسی حقائق جو تجرباتی ہونے کی بنا پر ”استقرائے تام“ کے درجے میں ہوں وہ کبھی نہیں بدلتے۔ یعنی وہ تجرباتی حقائق جو بار بار کے تجربوں کے باعث یکساں نتائج کے حامل ہوں اور ان کو اصطلاح میں ”قوانین قدرت“ (لازف نہج) کہا جاتا ہے اور یہ قوانین اسباب و معلل کے تابع ہوتے ہیں۔ چنانچہ طبیعی اعتبار سے جب بھی ”علت“ ظاہر ہوگی تو اس کے نتیجے میں ایک ”مطلول“ وجود میں آئے گا اور ان دونوں میں لزوم کا پایا جاتا ہے۔ مثلاً لنگ جلاتی ہے کیونکہ اس میں گرمی و وحش کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح پانی آگ بجھاتا ہے، پیاس بجھاتا ہے، کھانا ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے، گندگی دور کرتا ہے۔ زہر کھانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ بدن میں چاقو چھونے سے خون نکلتا ہے، زور کی مار سے درد ہوتا ہے، روٹی کھانے سے بھوک رفع ہوتی ہے، گندگی پھیلانے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ تو چند سادہ مثالیں ہیں مگر سائنس دان مظاہر فطرت کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کر کے انتہائی باریک بینی کے ساتھ ایسے طبیعی و حیاتیاتی ”قوانین“ یا ”علت و مطلول“ کی کار فرمائیاں دریافت کرتے ہیں جو ایک عام آدمی کی دسترس سے باہر ہوتی ہیں اور یہ قوانین و ضوابط دو قسم کے ہیں، پہلی قسم اشیائے عالم کی بناوٹ اور ان کی ساخت و پرداخت سے متعلق ہے اور دوسری قسم ان اشیاء کے باہمی ”رہب و تعلق“ یا ”علت و مطلول“ کے تحت ہے چنانچہ ان دونوں کے بعض حقائق بالترتیب بیان کئے جاتے ہیں۔ خورد بینی مشاہدات کے ذریعہ پتہ چلا ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں نہایت درجہ باریک اجزاء سے مل کر بنی ہوئی ہیں جن کو عناصر کہا جاتا ہے اور یہ تعداد میں ۹۲ ہیں۔ جیسے ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن، مائٹروجن، کیلشیم، فاسفورس، کلورین، سلفر، پوٹاشیم، سوڈیم، میگنیشیم، لوہا، البوڈین اور سلیکون وغیرہ وغیرہ اور یہ عناصر عالم مادی کی بنیادی اینٹیں ہیں جن سے موجودات عالم کی تشکیل و ترکیب عمل میں آئی ہے چنانچہ مٹی، پانی اور ہوا میں ہر جگہ یہی عناصر پائے

جاتے ہیں جو طاقتور خوردبینوں سے نظر آتے ہیں۔ اور جمادات، نباتات اور حیوانات سب کی تشکیل میں انہی کا وجود دکھائی دیتا ہے جس طرح حروف تہجی سے الفاظ، الفاظ سے جملے اور جملوں سے بالمعنی عبارتیں اور کتابیں وجود میں آتی ہیں بالکل اسی طرح ان مفرد عناصر سے مرکبات یا سالمات، سالمات سے غلیے غلیوں سے اعضاء اور اعضاء سے اجسام (حیوانات و نباتات) تشکیل ہوتے ہیں۔ یوں تو کارخانہ قدرت میں ۴۴ عناصر پائے جاتے ہیں مگر حیوانات و نباتات کی تشکیل صرف چودہ عناصر سے عمل میں آئی ہے جو اوپر مذکور ہیں۔ پانی، ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ پانی کا ایک ”سالمہ“ (مالے کیول) ہائیڈروجن کے دو جوہروں اور آکسیجن کے ایک جوہر سے مل کر بنا ہوا ہے۔ ہوا کی تشکیل میں ۴/۵ حصے نائٹروجن اور ۱/۵ حصہ آکسیجن نے حصہ لیا ہے۔ کھانے کا نمک سوڈیم اور کلورین کا مجموعہ ہے۔ چنانچہ نمک کے ایک سالے میں ان دونوں عناصر کا ایک ایک جوہر پایا جاتا ہے اور ہم جو غذا کھاتے ہیں وہ ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن اور نائٹروجن کا ”م مرکب“ ہے۔ چنانچہ سائنسی تجربہ گاہوں میں مادی اشیاء کی تحلیل و تجزیہ سے یہ تمام حقائق ثابت شدہ ہیں۔ ال ٹیپ نہیں بلکہ ان میں بے مثال ”حساب دانی“ کا مظاہرہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ عالم موجودات میں ہر چیز ایک مخصوص مقدار اور مخصوص انداز میں درج شدہ ہے۔ علم کیمیا کی ان تمام تفصیلات کا مطالعہ کرنے کے بعد جب ہم قرآن عظیم پر نظر ڈالتے ہیں تو ہماری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں کہ یہ سارے حقائق حسب ذیل ربانی کلیات کی تشریح و تفسیر کرنے والے دکھائی دیتے ہیں: ”وکل شئی عندہ بمقدار“ (اور اس کے نزدیک ہر چیز ایک خاص مقدار کے ساتھ ہے۔ (رعد: ۸) ”اناکل شئی خلقناہ بقدر“ (ہم نے ہر چیز ایک خاص انداز سے پیدا کی ہے۔ (قمر: ۴۹)۔ ان آیات کے ملاحظہ سے یہ بے غبار حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اس کلام حکمت میں ہر چیز کا ”بیان“ اور ہر چیز کی ”تفصیل“ موجود ہے۔ اس اعتبار سے تحقیقات جدیدہ کے باعث قرآنی صداقتوں پر اُلج نہیں آتی بلکہ اس کے برعکس اس کے اسرار و معارف کھلتے چلے جاتے ہیں۔ بس ان کے استنباط کیلئے دیدہ بینا کی ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ علم کیمیا کے تفصیلی مطالعہ سے نقاش فطرت کے ”تخلیقی عجائب“ اور اس کی ”جادوگری“ کے کمالات سامنے آتے ہیں جو ہمارے فکر و نظر میں جلاہندہ کرنے کا باعث ہیں۔ الغرض فن علم کیمیا اور طبیعیات کے بیشتر اصول و ضوابط دو اور دو، چار کی طرح بالکل واضح ہیں۔ اور یہ علوم چونکہ تجرباتی و مشاہداتی ہیں اس لئے ان علوم کے ذریعہ ثابت شدہ ”حقائق“ شرعی و عقلی دونوں اعتبار سے قابل حجت ہیں۔ ان علوم کے ذریعہ مادہ اور توانائی کے اسرار و عجائب کا کھوج لگایا جاتا ہے اور قوانین قدرت (قوانین ربوبیت) دریافت کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ دنیا بھر کی سائنسی تجربہ گاہوں میں دن رات ان پر تحقیق ہو رہی ہے اور ہزاروں لاکھوں سائنسدان معروف عمل میں ہیں۔ اس سلسلے میں ان کا نقطہ نظر اگرچہ خالص

مادی ہے مگر اجماع نے بن میں وہ خلاق عالم کی صفت، "کلون" یا تخلیق کے مختلف پہلوؤں کو واضح کر رہے ہیں۔ اسلیئے آج ہر نئی "تحقیق" علام الغیوب کی صفت "علم" کے نئے نئے جلوؤں کو سامنے لارہی ہے چونکہ علم اور کلون اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی میں داخل ہیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مشاخصت "کیلیئے مظہری طور پر ان دونوں صفات کی جلوہ نمائی کرائی ہے۔ چنانچہ صحیفہ فطرت (کائنات) اس کی صفت کلون کی مظہر اور صحیفہ حکمت (قرآن) اس کی صفت علم کا نمائندہ ہے اور ان دونوں کی تطبیق سے ذات باری تعالیٰ اور اس کے تمام صفات کا جلوہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے رب العالمین کی یہ عجیب و غریب منصوبہ بندی ہے کہ اس نے اپنی ذات و صفات کی نقاب کشائی کے لئے خود منکرین حق کو اس کام پر مامور کیا ہے۔ لہذا آج اہل اسلام کو اس میدان میں کام کرنے کا ایک سنرا موقع ہاتھ آگیا ہے مگر اسکے باوجود آج ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں تو اس سے زیادہ محرومی اور کیا ہو سکتی ہے؟

۷۔ تجرباتی علوم اور ان کے حدود و ضوابط :- یہ تھی اشیائے عالم کی خلقت اور ان کی ساخت پر ایک اجمالی نظر اور اب جہاں تک علت و معلول کی کارفرمائی کا تعلق ہے تو آج دنیائے سائنس نے ایسے بہت سے "خفیہ اسباب" کا پتہ لگایا ہے جو ایک عام آدمی کے مشاہدہ میں نہیں آتے۔ اور یہ اسباب و علل قسم کے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو نظام قدرت میں پائی جاتی ہے اور جسمیں انسان کا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اگر وہ چاہے بھی تو قدرت کے اس نظام کو بدل نہیں سکتا اور اس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکتا۔ بلکہ نظام فطرت یا نظام ربوبیت کی پابندی ہر شخص پر ضروری ہے چاہے وہ کتنا ہی بڑا سائنس دان کیوں نہ ہو بالفاظ دیگر دنیا کے تمام سائنس دان مل کر بھی علت و معلول کے سلسلے کو بدل نہیں سکتے اور دوسری قسم وہ ہے جو انسان کی دسترس میں ہے یعنی انسان قوانین ربوبیت کی باریکیوں سے آگاہ ہو کر جو فنی اور تکنیکی کمالات (ٹیکنالوجی کے میدان میں) دکھا رہا ہے وہ انہی خفیہ اسباب و علل کے تابع ہیں۔ گویا کہ اس نے مادہ اور توانائی کے "بھیدوں" سے آگاہ ہو کر فنی میدان میں ان سے مستفید ہونے کا گر معلوم کر لیا ہے اور اس لحاظ سے بھی وہ گویا کہ نظام فطرت ہی کی پیروی کر رہا ہے نہ کہ فطرت کے قوانین سے آزاد ہو کر اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیئے ورنہ عام طور پر لوگوں کو اشتباہ ہو جاتا ہے اور وہ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ایک سائنس دان جو چاہے کر سکتا ہے جبکہ اس قسم کا عقیدہ اسلامی نقطہ نظر سے کھلا ہوا شرک ہے۔ سائنسی یا انسانی کمالات کی ایک حد ہے جسکے باہر وہ جا نہیں سکتا اور جو چاہے کر نہیں سکتا۔ غرض اس موقع پر ان دونوں اقسام پر مختصر گفتگو کی جاتی ہے اور قدرتی اسباب و علل کی دو مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱)۔ مسلسل تجربات کے بعد منکشف ہوا ہے کہ حیوانات و نباتات باہم آکسیجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کا تبادلہ کرتے ہیں اور دونوں کے آپسی تبادلے ہی کے باعث فضا میں موجود آکسیجن کا تناسب قائم رہتا ہے۔ چنانچہ حیوانات سانس کے ذریعہ آکسیجن اپنے جسموں کے اندر داخل کرتے اور کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر نکالتے ہیں۔ مگر اس کے برعکس نباتات کاربن ڈائی آکسائیڈ اخذ کر کے آکسیجن خارج کرتے ہیں اور یہ ایک عجیب و غریب مظہر ربوبیت ہے اگر یہ دوطرفہ عمل نہ ہوتا تو تمام حیوانات کا وجود خطرہ میں پڑ جاتا۔ کیونکہ حیوانات بغیر آکسیجن کے زندہ نہیں رہ سکتے اور یہ مظہر ربوبیت خلاق عالم کی صفت ”رحمانیت“ کی بہت بڑی دلیل ہے۔

(۲)۔ اسی طرح نباتات جو غذا تیار کرتے ہیں وہ بھی کرشموں سے بھرپور ایک مظہر ربوبیت ہے جس کی صحیح حقیقت و کیفیت سمجھنے سے انسان عاجز ہے۔ چنانچہ غذا کی تیاری کا عمل نباتات کی پتیوں میں ہوتا ہے اور پتیوں میں ہرے رنگ کے ننھے ننھے ذرات ہوتے ہیں اور پتیاں انہی ذرات کی بناء پر ہری دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ خوردبین سے دیکھنے پر پتہ چلا ہے کہ ان ہرے ذرات کے درمیان کافی حد تک خالی جگہ ہوتی ہے جو بے رنگ ہوتی ہے۔ غرض پتیوں میں موجود یہ ذرات جڑوں کی مدد سے حاصل شدہ پانی اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے ذریعہ حاصل شدہ کاربن کو لے کر سورج کی روشنی کی مدد سے (روشنی کے ذرات، یعنی فوٹانوں کو اپنے اندر جذب کر کے) اور ان ہینوں کو ”آسمیہ“ کر کے ایک خوشگوار اور خوش ذائقہ مادہ تیار کرتے ہیں جسے علم نباتات کی اصطلاح میں ”مواد نشائیہ“ (کاربوہائیڈریٹ) کہا جاتا ہے۔ (۱) اور یہ کسی بھی غذائی مادہ (چاول، گیسوں، جوار، باجرہ اور مکئی وغیرہ) اور کسی بھی پھل اور میوے کا بیشتر حصہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے نباتات غذائی ”فیکٹریاں“ ہیں جو مسلسل مصروف عمل رہ کر انسان اور دیگر حیوانات کے لئے غذا تیار کرتے ہیں۔ اگر خالق کائنات نباتات کا یہ سلسلہ جاری نہ کرتا تو روئے زمین پر کسی انسان یا حیوان کا وجود نہ ہوتا۔ غرض تمام مظاہر فطرت آپس میں علت و معلول کے مضبوط ترین رشتے میں بندھے ہوئے ہیں اور ان اسباب و علل کا تعلق چاند سورج کی کار فرمائیوں سے بھی ہے اور ہوا اور بارش کے نظاموں سے بھی۔ خشکی و سمندر سے بھی ہے اور کساروں اور آبشاروں سے بھی، طب و صحت سے بھی ہے اور ماحولیات سے بھی۔ اس کائنات مادی کا کوئی بھی مظہر فطرت علت و معلول کی زنجیروں سے آزاد یا ”خود مختار“ نہیں ہے۔ اس اعتبار سے ربوبیت ایک مکمل اور ہمہ گیر مشین کے طور پر کام کر رہی ہے جو توحید باری کی ایک روشن ترین دلیل ہے اور جس میں کہیں بھی ”بخت و اتفاق“ کا نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس موقع پر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ انسان اشیائے عالم کے جو بھی اسباب و علل

(۱)۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث کیلئے راقم سطور کی کتاب ”قرآن حکیم اور علم نباتات“ دیکھی جائے۔

دریافت کر رہا ہے وہ محض ان کی ظاہری کارکردگیوں سے متعلق ہیں۔ مگر وہ ان کی باطنی کیفیت اور ان کے باطنی احوال و کوائف کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔ اس حقیقت کو تمام سائنس دان اور تمام فلاسفہ تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انسانی علم صرف ”ظواہر اشیاء“ (فیوینا) تک ہی محدود ہے وہ ”بواطن اشیاء“ (نومینا) سے کسی بھی طرح واقف نہیں ہو سکتا۔ گویا کہ دنیائے سائنس کا علم اشیاء کے ظاہری ڈھانچے سے تعلق رکھتا ہے۔ مثال کے طور پر خود اوپر بیان کردہ مثال ہی کو لیجئے دنیائے سائنس نے اس بات کلمہ تو پتہ چلا لیا کہ مواد نشاتیہ کی تیاری درختوں اور پودوں کی پتیوں میں ہوتی ہے اور ان میں موجود ہرے رنگ کے ذرات یہ عمل کرتے ہیں مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ ذرات سادہ پانی اور کاربن کو لیکر یہ میٹھا اور خوشگوار مواد کس طرح تیار کر دیتے ہیں؟ اور اس عمل میں حقیقتاً کونسا میکانزم کام کرتا ہے؟ چنانچہ ایک سائنس دان بڑی حسرت کے ساتھ کہتا ہے کہ افسوس کہ ہم پتیوں کے اس اندرونی میکانزم کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

Unfortunately, we do not understand the mechanism of this process. (Cell Physiology and

Biochemistry, William D Meelroy, P. III, Fifth Indian Reprint, 1978)

غرض انسان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جو کارنامے انجام دیتا ہے وہ قابل فہم اور قابل تفہیم ہوتے ہیں مگر ربوبیت کا کوئی بھی فعل قابل تفہیم و توجیہ نہیں ہوتا۔ گویا کہ ”افعال الہی“ حیرتوں اور کرشموں سے بھرپور ہوتے ہیں۔ چنانچہ لفظ ”اللہ“ کے لغوی معنی ایسی ہستی کے ہیں جو اپنے افعال میں حیرت انگیز ہو (۲) اور اس اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ باری تعالیٰ کی ربوبیت ”الوہیت“ کے روپ میں جلوہ گر ہے گویا کہ ربوبیت کے افعال ”حیرت انگیزیوں“ سے بھرپور ہیں، جن کی کمد و حقیقت کا ادراک کرنے سے انسان قاصر ہے۔ قرآن عظیم میں انسان کو ”علم قلیل“ دیے جانے کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے جو ایک ابدی و سرمدی حقیقت ہے اور یہ حقیقت کبھی بدل نہیں سکتی۔ بہر حال یہ چند قدرتی اسباب و علل کا ایک ذکر اور ان پر ایک مختصر تبصرہ تھا۔ اب فنی و تکنیکی اعتبار سے یعنی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان کی طرف آئیے اور انسان اس میدان میں جو زبردست کارنامے انجام دے رہا ہے ان کا جائزہ لیجئے۔ تو صاف نظر آئے گا کہ وہ بھی اسباب و علل ہی کے تابع ہیں۔ ان سے آزاد نہیں۔ چنانچہ آج کا انسان مادہ و توانائی کے خفیہ اسرار کا (ظاہری اعتبار سے) پتہ چلا کر برومحر کو مسخر کر چکا ہے۔ طب و صحت کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر چکا ہے۔ مصنوعی ہڈیاں تیار کر کے اپنی ”کیمیائگری“ کے

(۲) دیکھئے ”الغماض فی غریب الہدیث“ ابن اثیر ۴/۱۳ بیروت نیرلسان العرب ابن منظور ۳۶۶/۱۳ بیروت

جڑے دکھایا ہے۔ اشیاء و عناصر کی ”قلب مہیت“ کر کے نئے نئے ”مرکبات“ مارکیٹ میں لایا ہے۔ لیزر شعاعوں کو دریافت کر کے محیر العقول کارنامے انجام دے رہا ہے، ایکسرے شعاعوں کے ذریعے اشیاء کے اندرون میں جھانک رہا ہے، کمپیوٹر سائنس میں ترقی کر کے پوری دنیا کو اپنی مٹھی میں کر چکا ہے۔ ڈھیر سارے الیکٹرونکس اشیاء ایجاد کر کے ایک نئے تمدن کو جنم دے چکا ہے۔ مصنوعی سیاروں کے ذریعہ ذرائع مواصلات کو بہتر سے بہتر بنانے میں ایک حیرت انگیز انقلاب لا چکا ہے۔ جس کی بدولت آج پوری دنیا سسٹر کر ایک چھوٹے سے شہر کے مانند بن گئی ہے۔ ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم تیار کر کے کمزور قوموں کو ڈرا دھمکا رہا ہے۔ راکٹوں اور خلائی جہازوں کی مدد سے کرہ ارض سے نکل کر چاند کو مسخر کر چکا ہے اور اب مریخ و مشتری پر ڈورے ڈال رہا ہے اور پھر زمین پر بیٹھے بیٹھے مریخ کی سطح کا مطالعہ اس طرح کر رہا ہے گویا کہ وہ بذات خود وہاں چل کر مشاہدہ کر رہا ہو۔ غرض یہ سارے سائنسی کمالات علت و معلول کے تابع اور چند طبعی ضوابط کے پابند ہیں جو خلاق عالم کے پیدا کردہ ہیں اور موجودہ انسان انہی تمام ضوابط سے آگاہ ہو کر یہ سب کچھ کر رہا ہے گویا کہ وہ اس کرہ ارض کی ”مادی خلافت“ پر قابض ہو چکا ہے مگر آج کے مسلمان ہیں کہ ان قوانین ربوبیت کا مطالعہ کر کے ترقی یافتہ قوموں کے ہم پلہ ہونے اور فوجی و سیاسی اعتبار سے ”طاقت“ کے توازن کو برابر رکھنے کے بجائے نہ صرف ان علوم کی کارفرمائی سے ناواقف ہیں بلکہ انہیں ”تغیر پذیر“ علوم قرار دے کر ان سے جھوٹ جھٹا برت رہے ہیں۔ اور اس اعتبار سے وہ دینی و دنیوی دونوں حیثیتوں سے گھٹائے میں ہیں ان تجرباتی علوم سے جب تک بیگانگی رہے گی، ہماری ”بے چارگی“ دور نہیں ہو سکتی۔ جو قوم یا جو ملت حقائق کی دنیا سے منہ موڑ کر کابلوں کی طرح زندگی بسر کر رہی ہو اس کی مدد کوئی نہیں کرتا۔ یہ دنیا کش مکش اور مقابلہ آرائی کی دنیا ہے جو سخت محنت چاہتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات اسباب و علل کے تحت پیدا کی ہے اور اس دنیا کا ذرہ ذرہ اسباب و علل کی زنجیروں میں بندھا ہوا ہے۔ اسلام نے اسباب و علل کو یکسر نظر انداز کرنے کی تعلیم نہیں دی۔ لہذا اسباب و علل کو نظر انداز کر کے جو قوم ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ جائے وہ زندگی کے میدان میں ہمیشہ مار کھاتی رہے گی۔ اور غالب قویں اسے نوالہ تر سمجھ کر آسانی کے ساتھ مغلوب کر لیں گی جیسا کہ آج امت مسلمہ کا حال زار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں اپنا یہ ابدی فیصلہ بہت پہلے اس طرح سنا چکا ہے۔

”وَان تَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُونُوا امْتَالِکُمْ“ (اگر تم منہ موڑ لو گے تو وہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا پھر وہ تمہاری طرح نہ ہوں گے) (محمد: ۳۸)۔ یہ آیت کریمہ کا بخلاف اور اتفاق فی سبیل اللہ کے سلسلے میں وارد ہوئی ہے جو اسلام کا ایک بنیادی ہدف ہے۔

۸۔ معجزہ رسول کی نئی تجلیاں :- اللہ تعالیٰ کی سنت ہر دور میں یہ رہی ہے کہ عصری علوم کا زور توڑنے کیلئے انبیائے کرام علیہم السلام کو معجزات بھی عصری ذنیت ہی کے مطابق دئے گئے ہیں۔ کسی دور میں جادو کا زور تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے ملتا جلتا معجزہ دے کر بھیجا گیا۔ کسی دور میں طب کا غلبہ تھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی قسم کا معجزہ دیا گیا۔ مگر پیمبر آخر الزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتابی شکل میں ایک ایسا معجزہ عنایت کیا گیا جو کسی ایک اعتبار سے نہیں بلکہ متعدد اعتبارات سے ایک حیرت انگیز معجزہ ہے اور چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود وہ نئے نئے انداز سے اپنے جلوے دکھا رہا ہے اور ہر دور کی ذنیت کا توڑ کر رہا ہے۔ آج چونکہ جدید علوم و فنون اور جدید فلسفوں کا دور دورہ ہے تو وہ اس میدان میں بھی پیچھے نہیں ہے بلکہ وہ آج بھی ان علوم اور فلسفوں کے مقابلے میں ایک زبردست معجزہ کے طور پر جلوہ افروز نظر آ رہا ہے اور الحادی فلسفوں کی سرکوبی کر کے دین الہی کا بول بالا کرنے کی استعداد رکھتا ہے۔

انبیاء کرامؑ کو جو بھی معجزہ عطا کیا جاتا ہے وہ ”دلیل رسالت“ کے طور پر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر اس حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ معجزہ کو دیکھ کر اُہ کے برحق ہونے کا اعتبار اور دین الہی کا اتباع کریں۔ چنانچہ ایک حدیث میں سنت الہی کی اس حکمت اور اس کے فلسفے پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

”ما من الانبياء من نبي الا قد اوتي من آيات ما مثله آمن عليه البشر وانما كان الذي اوتيت وحيا اوتي الى“
ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا تھا جس پر لوگ ایمان لائے۔ مگر مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ (خدا کی) وحی ہے جو مجھے عنایت کی گئی ہے۔ (۳)۔ اس اعتبار سے ”وحی الہی“ رسالت محمدیؐ کا سب سے بڑا اعجاز اور سب سے بڑا معجزہ ہے۔ فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی اور ہدایت و رہنمائی کے اعتبار سے بھی اور اسی طرح وہ انسانی معاشرہ کے لئے درکار احکام و مسائل کی جامعیت اور عقل و منطقی دلائل کے لحاظ سے بھی ایک معجزہ ہے لیکن ان تمام اعتبارات کے علاوہ وہ عصر جدید کے علوم و فنون کے مقابلے اور ان کی شکست و ربکت کے لحاظ سے بھی ایک زبردست اور بے مثال معجزہ دکھائی دیتا ہے اور اس کا یہ معجزہ اور علمی اعجاز ”وحی الہی“ ہے، جس کا تفوق آج عصری علوم کے مقابلے میں ظاہر ہو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جدید سے جدید تر تمام سائنسی علوم اپنی ہی تحقیقات کے زور میں وحی الہی کی تصدیق و تائید کر رہے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وحی الہی کے سامنے سرنگوں ہو کر سجدہ ریزیاں کر رہے ہیں اور اس قسم کے عجیب و غریب معجزہ کا نظارہ

(۳)۔ صحیح مسلم ۱/۱۳۴، مطبوعہ ریاض، مسز احمد ۱۳۴۱ھ، بیروت۔

چشم فلک اب تک نہیں کر سکا ہے جو دین و شریعت کی تاریخ میں انتہائی نرالا ہے۔ غرض رسالت محمدیؐ نہ حقانیت پر دلالت کرنے والا یہ معجزہ (کلام الہی) محض اس کی فصاحت و بلاغت یا اس کے کسی اور وصف تک محدود نہیں ہے بلکہ وہ ایک زندہ اور لازوال معجزہ ہے۔ معجزہ کی حقیقت یہ ہے کہ وہ سنت الہی کے مطابق متعلقہ دور کے لوگوں کو متاثر کرے تاکہ وہ اس کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کریں۔ اس اعتبار سے معجزہ دراصل وہ ”فوق الطبیعی کرشمہ“ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے وجود کی ”خبر“ دینے یا عالم انسانی کو متنبہ کرنے کی غرض سے اپنے مخصوص بندوں (رسولوں) کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی ازلی سنت ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے۔ اس عداوی حکمت و فلسفے کا تقاضا یہ تھا کہ عصر جدید میں بھی کوئی نیا معجزہ ظہور میں آئے کیونکہ عصر جدید پر قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت حجت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ موجودہ دور کے لوگ اس کی فصاحت و بلاغت سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس باب میں عجی تو عجی خود عربی زبان کے جاننے والوں کا بھی یہی حال ہے ”الاماشاء اللہ“ اور پھر علمائے بلاغت کی رائے کے مطابق قرآنی بلاغت کی تفہیم و تفسیر کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ ایک ذوقی چیز ہے۔ (۳)۔ اس لحاظ سے معجزہ وہ ہونا چاہیے جسے تمام لوگ سمجھ لیں یا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، اسی لئے قرآن عظیم کو ہر دور کیلئے اور ہر اعتبار سے معجزہ بنایا گیا تاکہ اس کے اعجاز کا کسی بھی دور میں انکار نہ کیا جاسکے۔ چنانچہ اس کتاب حکمت کا جب بھی کوئی ایک روپ لوگوں کی نظروں سے (عصری علوم و مسائل کے لحاظ سے) اوجھل ہونے لگتا ہے تو اس کا دوسرا اور نیا روپ سامنے آجاتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو متاثر اور مبہوت کر سکے۔ یہی وہ سنت الہی ہے جو ازل سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گی۔ اس موقع پر ایک اعتراض یہ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے علاوہ اس کی اور بھی تو دیگر خصوصیات موجود ہیں جیسے اس کی ہدایت و رہنمائی اس کے احکام کی جامعیت اور اس کے عقلی و منطقی دلائل و براہین وغیرہ جن کے ملاحظہ سے عصر جدید کا انسان ایمان لاسکتا ہے۔ لہذا اس کے اثبات کے لئے قرآن اور عصری علوم کی تطبیق ہی کیوں ضروری ہے؟ تو اس کا جواب کئی طریقوں سے دیا جاسکتا ہے، اول یہ کہ حدیث شریف میں ”وحی الہی“ کا جو ذکر ہے وہ اس جدید معجزہ یا معجزہ رسول کے جدید روپ کے صین مطابق ہے، یعنی اس مظاہرہ حق کے ذریعے دراصل وحی الہی کا اعجاز ثابت کر رہا ہے جو قرآن اور جدید تجرباتی علوم کی تطبیق کے باعث ظاہر ہو رہا ہے۔ چنانچہ اس سے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ علم صرف وہی نہیں جو حواس اور عقل کے ذریعہ ثابت ہوتا ہو، بلکہ علم وہ بھی ہے جو ”وحی الہی“ کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے اور وحی الہی علم کا ایک مخلوق اور بے خطا ماخذ ہے۔

(۳)۔ دیکھئے: ”الاتقان فی علوم القرآن“ از جلال الدین سیوطی، ۱۵۳۷ھ مطبوعہ مصر۔

بالفاظ دیگر انسانی علم اور اس کے نظریات بدل سکتے ہیں اور ان میں ارتقا ہو سکتا ہے مگر وحی الہی نہ تو بدل سکتا ہے اور نہ اس میں ارتقا کا کوئی سوال ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ بلکہ وہ پتھر کی ایک لکیر کی طرح ہمیشہ اٹل رہے گا اور اس کی صداقت ہر دور میں ظاہر ہوتی رہے گی جیسا کہ ارشاد باری ہے:

وتمت کلمت ربک صدقاً وعداً، لا مبدل لکلمتہ (اور تیرے رب کی بات پوری ہوئی، سچائی کے لحاظ سے بھی اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا۔) (انعام: ۱۱۰)

اس سلسلے میں دوسری بات یہ ہے کہ عصر جدید کا انسان اور اس کے فلسفے چونکہ صرف سائنسی علوم کو "معیار حق" قرار دیتے ہوئے مطالبہ کرتے ہیں کہ جملہ "اقدار" کی تقسیم و توجیہ محسوساتی علوم یا "ثابت شدہ" حقائق کی روشنی میں کی جائے۔ بالفاظ دیگر عصری فلسفے مذہبی یا عمرانی علوم کی کسی ایسی حقیقت کو ماننے کیلئے تیار نہیں جو سائنسی اعتبار سے ثابت شدہ نہ ہو۔ لہذا "کلّموا الناس علی قدر عقولهم" (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کرو) کے اصول کی رو سے ہر شخص سے اس کے علوم اور اس کی ذہنیت و نفسیات کے مطابق گفتگو کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ اس اصول کی وضاحت بعض احادیث میں اس طرح آئی ہے: حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت اس طرح مروی ہے: "امرونا ان نتکلم بالناس علی قدر عقولهم" (ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق گفتگو کریں) (۵)۔ اور حضرت علیؓ سے اس طرح منقول ہے: "حدّثوا الناس بما یعرفون۔ اتریدون ان یکذب اللہ ورسولہ" (لوگوں سے ان کے جانے بوجھے مسائل کے ذریعہ گفتگو کرو) (چنانچہ مخاطب کے نامعلوم مسائل کے ذریعہ گفتگو کر کے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے؟) (۶)۔ اس اعتبار سے داعیان اسلام پر لازم آتا ہے کہ وہ جدید علوم و مسائل سے آگاہ ہو کر عصر جدید کی ذہنیت کے مطابق خداوند قدوس کی حجت پوری کریں اور اس تطبیق سے قرآنی نظریہ علم کا اثبات وقت کی ایک بہت بڑی ضروری ہے اور اس سلسلے میں عصری حقیقت یہ ہے (جیسا کہ آغاز بحث میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے) کہ اس تطبیق کے ذریعہ "اختلاف بن الناس" کے درمیان محاکمہ بھی ہو جائے گا۔ جب تک فیصلہ و محاکمہ نہ ہو جائے خدائی منطق موثر نہیں ہو سکتی۔ لہذا انسان کو قائل کرانے اور اس کی فکری غلطی واضح کرنے کی غرض سے یہ اقدام کیا گیا ہے تاکہ وہ دلیل و استدلال کے میدان میں ہتھیار ڈال دے۔ اسی لئے حاملین قرآن کو حکم ہے کہ وہ منکرین حق کے ساتھ علمی بحث و مباحثہ کر کے ان پر انہی کے "معارف" کے ذریعہ اتمام حجت کر دیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۵)۔ کنز العمال: ۱۰/۱۳۳، مطبوعہ حیدرآباد (۶)۔ ایضاً ۱۰/۱۳۶

”ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن“

(لوگوں کو) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ۔ (اور جو اس سے انکار کریں) ان کے ساتھ بہترین طریقے سے مباحثہ کرو) (نحل : ۱۲۵)۔ چنانچہ مفسرین نے تحریر کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں دعوت دین کے جو طریقے بتائے گئے ہیں ان میں اصل طریقے صرف دو ہیں :

(۱) حکمت سے مراد یہ ہے کہ اہل علم کے ساتھ دلائل کی روشنی میں گفتگو کی جائے (۲) اور عوام سے وعظ و نصیحت کے طور پر خطاب کیا جائے مگر جو لوگ ان دونوں طریقوں سے رام نہ ہوں ان سے بحث و مباحثہ کیا جائے اور ان کے سامنے علمی دلائل و براہین رکھے جائیں بلکہ ان ”حقائق“ (مشہور مقدمات) کو بنیاد بنا کر گفتگو کی جائے جو خود ان کے نزدیک مجبر ہوں (۴)۔ اس لحاظ سے آج جدید علوم و مسائل ہمارے اور منکرین حق کے درمیان گفتگو کا موضوع بن سکتے ہیں اور خود انہی کی تحقیقات کے ذریعہ ان پر اتمام حجت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ تحقیقات جدیدہ میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو دین کے خلاف ہو بلکہ جدیدہ سے جدید تر تمام حقائق و معارف اسلامی عقائد (اصول دین) کی تصدیق و تائید میں صف باندھے کھڑے ہیں اور یکے بعد دیگرے اپنی شہادت پیش کرتے ہوئے دین الہی کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کر رہے ہیں۔ عصر جدید میں اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب و غریب حکمت و منصوبہ پوری طرح روشنی میں آچکی ہے جو معجزہ رسول کا ایک تابناک اور حیرتاک مظہر ہے۔ لہذا حاکمین قرآن کو جدید علوم و فنون سے خوف کھانے کی کوئی

ضرورت نہیں ہے۔ ”خلق اللہ السموات والارض بالحق، ان فی ذلک لآیة للمؤمنین“

اللہ نے زمین اور آسمانوں کو حقانیت (حکمت و منصوبہ بندی) کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ (چنانچہ ان مظاہر میں) اہل ایمان کے لئے ایک بڑی نشانی موجود ہے۔ (عنکبوت : ۳۳) حاصل یہ کہ سنت الہی کے مطابق ضرورت اس بات کی تھی کہ رسالت محمدی کے بعد بھی ہر دور کے لئے ایک الگ معجزہ بھیجا جائے جسے دیکھ کر لوگ ایمان لاسکیں، مگر چونکہ پیغمبر آخر زماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ ہی

ختم نبوت کا اعلان کر دیا گیا۔ اس لئے اب رہتی دنیا تک قرآن عظیم ہی متعدد حیثیتوں سے ”معجزہ“ قرار پا چکا ہے تاکہ وہ ہر دور کی ذمیت کا توڑ کر کے اپنے جلوے دکھاتا رہے۔ اس لحاظ سے اس کی تجلیاں کسی بھی دور میں مامد نہیں ہو سکتیں اور اس کا رنگ کبھی پھیکا نہیں پڑ سکتا۔ اسی وجہ سے اسے برہان، نور ہدایت، فرقان، اختلافی مسائل میں فیصلہ کرنے والا قرار دیا گیا ہے۔

(۴) خلاصہ از تفسیر کشف : ۲/ ۳۳۵ مطبوعہ طہران، تفسیر بیضاوی : ۳/ ۳۲۶ بیروت، تفسیر الوسعد : ۵/ ۱۵۱

بیروت، تفسیر کبیر : ۲۰/ ۱۳۱ بیروت۔

”یا ایہا الناس قد جاءکم برهان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً“ (اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے ایک (روشن) دلیل آچکی اور ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی روشنی بھیج دی ہے جو بالکل واضح ہے)۔ (نساء: ۱۷۴)۔ ”قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین“ (تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آچکی ہے) (مائدہ: ۵: ۱۵) ”هدی للناس و بینت من الہدی والفرقان“ (یہ قرآن) لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل میں تمیز کے دلائل موجود ہیں) (بقرہ: ۱۸۵) ”لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ“ تاکہ وہ (کتاب الہی) لوگوں کے باہمی اختلافات کے درمیان فیصلہ کر سکے) (بقرہ: ۲۱۳)۔ ”هو الذی یزل علی عبده ایت بینت لیخرجکم من الظلمت الی النور“: (وہی ہے (اللہ) جو اپنے بندے پر واضح دلائل اتار رہا ہے تاکہ وہ تمہیں (کفر کی) تاریکیوں سے باہر نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لے آئے)۔ (حدید: ۹)

”لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکرتم افلا تعقلون“ (یقیناً ہم نے تمہارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمہارا ذکر موجود ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟) (انبیاء: ۱۰)

آج اہل علم اسلام کو ”وحی الہی“ کا اعجاز اور اس کی برتری ثابت کرنے کا ایک نادر اور سنہرا موقع اٹھ گیا ہے کہ وہ قرآن اور جدید تجرباتی علوم کے تقابل سے اس جدید ترین قرآنی معجزہ کو علمی اعتبار سے ثابت کریں اور دلیل و استدلال کی روشنی میں بگڑے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے پر کمر بستہ ہو جائیں تاکہ خدا کی زمین سے شر و فساد دور ہو اور دین و اخلاق کا احیاء ہو سکے۔ علم دین کی تجدید کے لئے یہ ایک بنیادی قدم ہے جسکے نتیجے میں ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ عمل میں آسکتی ہے۔ علمائے امت چونکہ انبیائے کرامؑ کے وارث ہیں اس لئے یہ ذمہ داری اصلاً انہیں پر عائد ہوتی ہے اور یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا معرکہ ہے جو دینیت اور لادینیت کے درمیان درپیش ہے۔ لہذا علمائے کرام کو اس راہ میں پوری ہوش مندی اور بیدار مغزگی کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ عند اللہ جواب دہ ہوں گے۔

((جاری ہے))

وما علینا الا البلاغ۔